***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Concept of the Divine Essence and Attributes of Allah in Tafsir-e-Sana'i: A Research Study

تفسیر ثنائی میں تصورِ ذات وصفات باری تعالیٰ: ایک تحقیقی مطالعہ

Fayyaz Ahmad
Phd Scholar, Islamic Studies Department, Alhamd Islamic University, Islamabad
Dr Muhammad Shah Faisal
Assistant Professor, Islamic Studies Department, Alhamd Islamic University, Islamabad
shahfaisal957@gmail.com

ABSTRACT
The concept of the Divine Essence and Attributes of Allah holds fundamental importance in Islamic beliefs, as a proper understanding of the doctrine of Tawhid depends on comprehending the Oneness of Allah, His attributes of perfection, and His divine actions. The Holy Quran explains the Essence and Attributes of Allah, including His Power, Knowledge, Will, Wisdom, Mercy, and other attributes of perfection at various places. This research aims to present an analytical and critical study of the concept of the Divine Essence and Attributes of Allah in the light of Tafsir-e-Sana'i. The primary objective is to examine the position adopted by Maulana Sanaullah Amritsari regarding the Divine Essence and Attributes while interpreting Quranic verses and to determine the extent to which his exegetical methodology conforms to the fundamental principles of Islamic beliefs. In this regard, the study will examine the concepts of Essential Attributes, Affirmative Attributes, Negative Attributes, and Attributes of Divine Actions. It will also explore the nature of the arguments employed in Tafsir-e-Sana'i to explain the Divine Attributes through Quranic texts, Prophetic traditions, and rational evidence. Furthermore, the research will highlight the exegete's perspective on significant theological discussions concerning anthropomorphism, corporealism, negation of Divine Attributes, and allegorical interpretation. In the context of classical Islamic theology, the study will also analyze the distinctive features of Tafsir-e-Sana'i and its intellectual agreements and disagreements with other schools of thought. This research will not only contribute to understanding Maulana Sanaullah Amritsari's concept of Tawhid and his approach to the Divine Attributes but will also provide valuable guidance for the scholarly understanding and accurate interpretation of the doctrine of Tawhid in the contemporary era.

Keywords: *Tafsir-e-Sana'i, Divine Essence, Divine Attributes, Tawhid, Islamic Theology.*

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں منتخب تفاسیر میں بیان کردہ تصورات کو سمجھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ معروف کلامی مذاہب کے اس حوالے سے نظریات کا جائزہ لیا جائے۔ اسماء وصفات کے باب میں مسلم علمِ معرفت دو انتہاؤں کے درمیان واقع ہے: پہلی تعطیل اور دوسری تشبیہ۔ خیر القرون کے بعد دو بڑے کلامی مذاہب منظرِ عام پر آئے: پہلا جہمیہ اور دوسرا معتزلہ۔ جہمیہ کے بانی کے طور پر معبد الجہنی کا نام لیا جاتا ہے جبکہ معتزلہ کے بانی واصل بن عطاء ہیں۔ بعد ازاں کئی دیگر کلامی فرقے وجود میں آئے جنہوں نے انہی دونوں مذاہب سے اصول اخذ کر کے اپنے نظریات کی بنیاد رکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفانی اور وجودی مکاتبِ فکر بھی بڑی حد تک انہی اصولوں پر قائم ہیں جو جہمیہ اور معتزلہ نے پیش کیے۔ محدثین، ائمہ کرام اور سلف صالحین نے ان کلامی مذاہب کے عقلی وکلامی اصولوں کو دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کی روشنی میں رد کیا اور اس موضوع پر ایک وسیع علمی ذخیرہ مرتب کیا، جس میں ہر دور کے متقدمین اور متاخرین علماء شامل ہیں۔ بعض متکلمین نے توحید کی تعریفیوں کی ہے کہ توحید، تنزیہ اور تشبیہ کو جمع کرنے کا نام ہے، جیسا کہ ابن عزلی کا قول ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ توحید ان دونوں انتہاؤں سے بچنے کا نام ہے، کیونکہ تنزیہ میں غلو ہی تعطیل کا سبب بنتا

ہے۔اسماء وصفات کے منکرین کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروہ فلاسفہ کا ہے، جس میں ملاحدہ، لاادریہ اور وجودیہ شامل ہیں۔ ان میں ابن سینا کا موقف یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے حیات اور علم جیسی صفات کا اثبات کیا جائے تو یہ صفات انسان میں بھی پائی جاتی ہیں، جس سے مشابہت لازم آتی ہے۔ لہٰذا خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز قائم رکھنے کے لیے وہ ان صفات کے اثبات کے قائل نہیں۔ اسی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کا تعارف اثبات کے بجائے نفی کے ذریعے کرواتے ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ اللہ جاہل نہیں، اندھا نہیں، گونگا نہیں، وغیرہ۔ ان کے نزدیک اللہ کا وجود "وجودِ مطلق بشرط الاطلاق" ہے، یعنی ایسا وجود جس کے ساتھ نہ کوئی اسم وابستہ ہو نہ کوئی صفت۔ یہ تصور محض ذہنی ہے، خارجی حقیقت نہیں رکھتا۔[1]

وجودیہ نے بھی وجودِ مطلق کا نظریہ انہی فلاسفہ سے اخذ کیا، اگرچہ بعض نے اسے "لابشرط" قرار دے کر تنزل کی گنجائش پیدا کی، لیکن اس کے باوجود یہ تصور بھی خارجی وجود سے خالی ہے۔ اس طرح ان کا تصورِ خدا محض ذہنی اور خیالی بن کر رہ جاتا ہے۔ گروہِ قرامطہ[2] کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ اسماء وصفات کا اثبات کیا جا سکتا ہے اور نہ نفی۔ ان کے نزدیک نہ وہ موجود ہے نہ معدوم، نہ زندہ ہے نہ میت۔ ان کا کہنا ہے کہ اثبات سے وجود کی اور نفی سے عدم کی مشابہت لازم آتی ہے، اس لیے دونوں کا انکار ضروری ہے۔ یہ موقف عقلاً محال ہے، کیونکہ نقیضین کی نفی ممکن نہیں۔

لاادریہ کا نظریہ یہ ہے کہ اسماء وصفات کے باب میں نہ اثبات کیا جائے نہ نفی، بلکہ سکوت اختیار کیا جائے۔ اس رویے کو "لاادریت" کہا جاتا ہے۔ منصور الحلاج م309ھ اس مؤقف کے قائل ہیں۔[3] وجودیہ کا ایک اور گروہ خالق اور مخلوق کے وجود کو ایک ہی قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ اور صفاتِ انسانی میں کوئی حقیقی فرق نہیں۔ اگر دونوں کو الگ مانا جائے تو دو وجود تسلیم کرنا پڑیں گے، جو ان کے نزدیک شرک ہے۔ لہٰذا وہ خالق و مخلوق کے وجود اور صفات کو ایک ہی حقیقت قرار دیتے ہیں۔ یہ نظریہ ابن عربی، ابن الفارض، ابن سبعین اور تلمسانی وغیرہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔[4] ابن عربی نے فرعون کے دعویٰ "انا ربکم الاعلیٰ" کی اسی بنا پر تصدیق کی ہے۔[5]

دوسرا بڑا گروہ متکلمین کا ہے، جس میں جہمیہ، معتزلہ، کلابیہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ شامل ہیں۔ جہمیہ، فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کا تعارف نفی کے ذریعے کرواتے ہیں اور وجودِ مطلق کے قائل ہیں۔ کلابیہ نے صفاتِ الٰہی کا اثبات تو کیا، لیکن ان صفات کو تسلیم نہیں کیا جو مشیئت اور اختیار سے متعلق ہوں۔ ان کے نزدیک صفات (عوارض) اور حوادث الگ چیزیں ہیں؛ صفات ذات کے ساتھ قائم ہو سکتی ہیں جبکہ افعالِ اختیاریہ (حوادث) ذات کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ صفاتِ ذاتیہ (جیسے علم) کو مانتے ہیں لیکن صفاتِ فعلیہ (جیسے کلام، نزول، اتیان وغیرہ) کی تاویل کرتے ہیں۔ جیسے کلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا-[6]

"اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، خود کلام کرنا"۔

اختیارِ افعال سے متعلق صفات، جیسے نزول، اتیان، رضا، غضب اور فرح وغیرہ کے بارے میں بعض اہلِ کلام کا یہ موقف ہے کہ یہ صفات یا تو ازلی و قدیم ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کی مشیئت و اختیار سے کوئی تعلق نہیں، یا پھر یہ صفات فعلیہ اللہ کی ذات سے جدا ہیں، البتہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے "کلیم" ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خود کلام کرتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کو کلام سنا دیتا ہے۔ اسی طرح "اللہ تعالیٰ آتا ہے" سے مراد اللہ کا حقیقی آنا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور آیت الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ کی تفسیر میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کا عرش پر مستوی ہونا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس نے عرش کو پیدا کیا اور اس پر اس طرح تصرف قائم کیا کہ گویا وہ اس پر مستوی ہے۔[7]

اسی طرح اشاعرہ کے متقدمین کا موقف بھی اس سے ملتا جلتا تھا، جبکہ متاخرین اشاعرہ اور ماتریدیہ نے صرف ان صفات کا اثبات کیا جو عقل کے نزدیک قابلِ قبول ہوں، اور دیگر صفات کی تاویل کی۔ اشاعرہ کے نزدیک سات صفات (حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام) جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک آٹھ صفات (ان سات کے ساتھ تکوین) ثابت ہیں، جنہیں صفاتِ معانی کہا جاتا ہے، جبکہ باقی صفات کی تاویل کی جاتی ہے۔

تصورِ "ذات وصفاتِ باری تعالیٰ" کے متعلق مولانا ثناء اللہؒ امرتسری کا موقف

مولانا ثناء اللہؒ امرتسری نے توحید کے باب میں جمہور اہلِ سنت ہی کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک عقیدۂ توحید کا مرکزی عنوان " لا اله الا الله" ہے، اور ہر مسلمان کے لیے اس کلمۂ توحید کی حقیقت سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے، تاکہ اس کا ایمان پختہ اور مستحکم ہو سکے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کو جس چیز پر بجا طور پر فخر ہے، وہ توحید ہے۔ بلاشبہ جس درجہ کی خالص اور بے شائبہ توحید اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام کی تعلیم کردہ توحید کا خلاصہ اور

عنوان" لا الہ الا اللہ" ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک مختصر اور دلکش جملہ ہے، لیکن اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے نہایت جامع اور گہرا ہے، یہاں تک کہ اسلام کے مخالفین بھی اس کی تاثیر اور خوبصورتی کے معترف رہے ہیں۔ سوامی دیانند سرسوتی جیسے اسلام کے سخت مخالف نے بھی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ" لاالہ الا اللہ" ایک درست اور معقول عقیدہ ہے۔[8]

تاہم ملتِ اسلامیہ میں بعض ایسے گروہ بھی پیدا ہوئے جو توحیدِ خالص کے تصور کو برقرار نہ رکھ سکے، بلکہ رفتہ رفتہ شرک اور بدعات کی آمیزش کا شکار ہو گئے۔ یہ لوگ بظاہر توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اجتماعی اور عملی زندگی میں اس کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض لوگ ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر اپنے اعمال کے ذریعے اس کی حقیقت کو مجروح کر دیتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ[9]

"اللہ پر ایمان لانے والوں میں اکثر شرک کرتے ہیں"

مولانا ثناءاللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو اسلام کی اصل تعلیم نہایت پاکیزہ اور خالص توحید پر مبنی ہے، مگر دوسری طرف بعض نام نہاد مسلمان اسلام، قرآن اور رسالتِ محمدیہ کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں جو خود مخالفینِ اسلام کی تصویر سے بھی زیادہ مسخ شدہ معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کلمۂ توحید"لاالہ الا اللہ محمدرسول اللہ" کے مفہوم کو بگاڑ کر ایسے اشعار اور نظریات پیش کرتے ہیں۔

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے تصورات اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی طرح جیسے عیسائیت، جو اصل میں ایک خدائی مذہب تھی، اپنے ماننے والوں کی غلط فہمیوں اور تحریفات کی وجہ سے ایسی شکل اختیار کر گئی جسے ہر صاحبِ عقل انسان ناقابلِ قبول سمجھتا ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے نہایت سخت الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَالَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ-[10]

"تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح ابن مریم علیہ السلام اللہ ہیں"۔

لہٰذا اس نوع کے باطل خیالات، ایک طرف تو منکرینِ اسلام کے لیے بدگمانی اور اعتراض کا سبب بنتے ہیں، اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے لیے گمراہی کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں[11]۔ مولانا ثناءاللہ نے ایسے عقائد رکھنے والوں کو"فرقۂ غالیہ" یعنی حد سے تجاوز کرنے والے اور غلو کرنے والے قرار دیا ہے، اور ان کے ان غلو پر مبنی نظریات کا تفصیلی رد کیا ہے۔ چنانچہ مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا خالق ہے۔ سب مخلوق کیا چھوٹی کیا بڑی، کیا عزیز کیا ذلیل، اس کے سامنے سر تسلیم خم ہیں۔ کوئی بھی اس کے علم کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ سب دنیا کی اصلی حکومت خاص اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔"

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ-[12]

"بہت برکت والا ہے وہ کہ تمام بادشاہی صرف اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

دوسری جگہ آیت قرآنی سے پیش کرتے ہیں۔

قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ[13]

"کہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو"۔

تقریباً پورا قرآنِ مجید اسی مضمون کو واضح کرتا ہے۔ کلمۂ توحید"لاالہ الااللہ" میں یہ حقیقت نہایت جامع انداز میں موجود ہے۔ مولانا ثناءاللہ نے توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے کلمۂ طیبہ کو بنیاد بنایا اور اس کی مفصل وضاحت پیش کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ کلمۂ طیبہ "لاالہ الااللہ" چونکہ قرآن کی تعلیم ہے اور تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس لیے اس کی تشریح میں صرف قرآنی آیات ہی پیش کی جائیں گی، نہ کہ مختلف روایات یا ذاتی آراء کو شامل کیا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں"لاالہ الااللہ" کی وضاحت متعدد عنوانات کے تحت ملتی ہے، جو اہلِ تدبر و غور کے لیے واضح ہو جاتی ہیں[14]۔

1-لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ "یعنی" لَا خَالِقَ اِلَّا اللہ

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، جو کسی چیز کو وجود عطا کر سکے۔ قرآنِ مجید میں بھیبھی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تخلیق کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَاالنَّاس اذْكُرُوانعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُاللَّهِ يرزُقُكُم مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاإِلَهَ إِلَّا هُوفَأَنَّى تُؤْفَكُونَ[15]۔

"اے لوگو! اپنے حالَ پر اللہ کی نعمت یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے؟ جو تم کو اوپر سے (بذریعہ بارش) اور نیچے سے (بذریعہ روئیدگی) رزق دیتا ہے (کون دے جبکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھکائے جاتے ہو"۔

اسی کے ضمن میں قرآن کی دوسری آیت پیش کرتے ہیں:

أَم جعلُوا للَّه شُرَكَاءَ خلَقُوا كَخَلْقه فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُل اللَّهُ خَالِقُ كُل شَيْءٍ وهوالْوَاحِدُ الْقَهَّارُ-[16]

"کیا مشرکوں نے اللہ کے ساجھی بنا رکھے ہیں کیا انھوں نے بھی اللہ جیسی مخلوق پیدا کی ہے جو خدا کی مخلوق کے ساتھ مل کر ان پر مشتبہ ہوئی ہو؟ (ہر گز نہیں) تو (اے نبی ﷺ) کہ اللہ سب کا خالق ہے اور وہ اکیلا زبردست اور ضابط ہے"۔

ان آیاتِ مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں یعنی "لَا خَالِقَ اِلَّا اللہ"۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ دنیا کی تمام موجودات اسی کی صفتِ خالقیت کے اثر سے وجود میں آئیں اور اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "قُل اللَّهُ خَالِقُ كُل شَيْءٍ"۔ لہٰذا نتیجہبھی نکلتا ہے کہ اس جہان میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں، خواہ روحانی ہوں یا مادی، سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور صرف وہی ان سب کا حقیقی خالق ہے۔[17] مزید اس کی توضیح قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

وَاتَّخَذُوامِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَايَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ[18]

"مشرکوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں"۔

یہ آیت اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے، جسے ہر صاحبِ عقل آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جو ہستی تخلیق کی قدرت نہیں رکھتی، وہ الوہیت اور معبودیت کی حق دار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود ماننا نہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہے اور نہ ہی عقلِ سلیم اس کی تائید کرتی ہے۔ مزید یہ کہ انجیل میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایسے واضح الفاظ پائے جاتے ہیں جو ان کے بندۂ خدا ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

"یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی۔"[19]

اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام بھی (یخلقون) مخلوق میں شامل ہیں، اس لیے وہ معبود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور عبادت گزار ہیں۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، لہٰذا وہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ جو ہستی خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ عبادت اور معبودیت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔[20]

2-لااله الاالله "یعنی" لامالك الاالله

جب یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ پوری کائنات اور اس کی ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ہستی کسی چیز کو پیدا کرتی ہے، حقیقی مالک بھی وہی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر کلمۂ طیبہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے: "لامالك الاالله" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی مالک نہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ذَلِكُم اللَّهُ رَبُّكُم لَهُ الْمُلْكُ-[21]

"تمام دنیا کی سچی حکومت اسی اللہ کی ہے۔"

تمام کائنات کی حقیقی مالکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ قرآنِ مجید نے اس عقیدے کو نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کیا ہے، جس کے بعد مزید کسی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس مضمون کی وضاحت کے لیے چند قرآنی مقامات پیش کیے جاتے ہیں:

1- تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوعَلَى كُل شَيْءٍ قَدِيرٌ-[22]

"خدا بڑی برکت والا ہے جس کے قبضے میں تمام دنیا کی حکومت ہے"۔

2۔اللَّهُ لَاإِلَهَ إِلَّاهُوَالْحَيُّ الْقَيُّومُ لَاتَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَانَوْمٌ لَهُ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ-[23]

"خدا کے سوا کوئی معبود ہے جو ہمیشہ زندہ اور اپنی ہستی سے ہمیشہ قائم ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے نیند جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی کی ملک ہے"۔

3- لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَاوَمَاتَحْتَ الثَّرَى-[24]

"جو کچھ آسمانوں، زمینوں اور ان دونوں کے درمیان اور سب سے نیچے ہے وو خدائی کی ملکیت ہے"۔

مندرجہ بالا آیات کے ضمن میں مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے لکھا ہے کہ "قران مجید کا کوئی رکوع کوئی حصہ بلکہ بلا مبالغہ کوئی فقرہ ایسا نہ ہو گا جس میں صراحتاً یا ضمناً یہ نہ پایا جاتا ہو کہ دنیا کا اصلی مالک خدا ہے اور کوئی نہیں۔"

3-لَاالٰہَ الَّااللہ "یعنی" لَاقَاضِیَ الَّااللہ

چونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق ہے، اس لیے حقیقی مالک بھی وہی ہے۔ عقل و منطق بھیہی بتاتے ہیں کہ جو کسی چیز کو پیدا کرتا ہے، اصل اختیار اور ملکیت اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ اور جب مالک حقیقی وہی ہے تو بندوں کی حاجات پوری کرنے، مشکلات دور کرنے اور ان کی خبر گیری کا حق بھی اسی کے پاس ہے۔ اسی حقیقت کو کلمۂ توحید کے مفہوم میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

"لَاقَاضِیَ الَّا اللہ "یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ قرآنِ مجید میں اس مضمون کو بار بار اس لیے بیان کیا گیا ہے تا کہ انسان یہ سمجھ لے کہ کائنات کا نظام، نفع و نقصان، مدد اور فریاد رسی سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی کی عبادت، اسی پر بھروسہ اور اسی سے دعا کرنا اصل ایمان اور توحید کا تقاضا ہے۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّإِذَادَعَاهُوَيَكْشِفُ السُّوءَوَيَجْعَلُكُم خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَاتَذَكَّرُونَ[25]

"کیا اللہ کے سوا کوئی ہے؟ جو عاجزوں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور تکلیفات کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر ایک کے بعد دوسرے کو بساتا ہے۔ کیا کوئی اور معبود بھی اللہ کے ساتھ ہے۔ انہیں بلکہ تم لوگ بہت کم سمجھتے ہو۔"

اس آیت میں نہایت لطیف انداز سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بندوں کی حاجتیں پوری کرنا، مصیبت کے وقت مدد فرمانا اور دعاؤں کو قبول کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کیونکہ یہی صفات الوہیت کے تقاضے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، حقیقی معبود وہی ہو سکتا ہے جو بے بسوں کی فریاد سنے، پریشان حال لوگوں کی مشکل کشائی کرے اور ان کی مرادیں پوری کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں یہ اختیار اور شان نہیں پائی جاتی۔ اسی مضمون کی مزید وضاحت قرآنِ مجید میں دوسرے مقامات پر بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِويُولِجُ النَّهَارَفِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَكُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِمَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍإِنْ تَدْعُوهُمْ لَايَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْسَمِعُوامَااسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍيَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيدُ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ[26]

"وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں سورج اور چاند کو اسی نے تمھارے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے اپنے وقت پر چلتا ہے۔ (یہ ایسا کرنے والا) تمھارا پروردگار ہے تمام دنیا پر انکی حکومت ہے اور اس کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اگر تم ان کو بلاو تو سنتے ہیں اگر سن پائیں تو قبول نہیں کر سکتے اور قیامت کے روز تمھارے شرک سے انکار کر دیں گے اور تجھ کو حق تعالی خبر دار کی ماند کوئی بھی خبر نہیں دے گا۔ اسے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی اور تعریف کے لائق ہے اگر چاہے تو تم کو فنا کر کے نئی مخلوق پیدا ہے یہ کام اللہ کے نزدیک مشکل نہیں۔"

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی ترتیب نہایت حکمت اور لطافت پر مبنی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے "يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ" کے ذریعے اپنی خالقیت اور قدرت کا بیان فرمایا، پھر اس خالقیت سے اپنی کامل مالکیت کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ" یعنی پوری کائنات کی بادشاہی اور اختیار صرف اسی خالقِ حقیقی کے پاس ہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کی تردید فرمائی گئی جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اختیار میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا "وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ" اس میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ بندوں کی دعائیں سننے، ان کی حاجات

پوری کرنے اور مشکلات دور کرنے کا اختیار صرف اسی ذات کو حاصل ہے جو سب کا خالق اور مالک ہے۔ اسی لیے باطل معبودوں کے بارے میں فرمایا" وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ "یعنی اگر وہ تمہاری پکار سن بھی لیں تو تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے سکتے۔ پھر ان تمام مضامین، یعنی خالقیت، مالکیت اور حاجت روائی کا خلاصہ نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا۔ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيد[27] "اے لوگو تم سب کے سب خدا کی جناب کے محتاج ہو اور خدا سب سے بے پرواا اور تعریف کا مستحق ہے"۔

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ فرماتے ہیں:

> "سبحان اللہ! کس خوبی سے چاروں مضمون ترتیب وار بیان ہوئے ہیں۔ بناء اول خالقیت ہے اس کی فرع اور بناء ثانی مالکیت ہے۔ اس کی فرع حاجت براری اور مشکل کشائی ہے ان سب کو ذات پاک تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص بتلا کر سب کا مجمود رد لفظوں میں ظاہر فرمایا تم محتاج اور خدائی اور بے نیاز ہے۔"[28]

4-لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ "یعنی" لَا حَیَّ اِلَّا اللہ

قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ شرک اور کفر کی جڑ کاٹنے کے لیے یہی عقیدہ کافی ہے۔ یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ دنیا میں جتنی حرکات اور افعال پائے جاتے ہیں، ان سب کی بنیاد زندگی پر ہے۔ بے جان چیز نہ حرکت کر سکتی ہے اور نہ کسی فعل کا صدور اس سے ممکن ہے۔ قرآنِ مجید واضح کرتا ہے کہ حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندہ نہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ-[29]

"وہی ہمیشہ زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اور کامل حیات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، کیونکہ حقیقی زندگی اسی ذات کے لیے ہو سکتی ہے جو حقیقی معبود ہو۔ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب انسان بولتے، چلتے پھرتے اور مختلف اعمال انجام دیتے ہیں تو کیا وہ زندہ نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری زندگی ذاتی اور مستقل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور عارضی ہے۔ حقیقی اور دائمی حیات صرف اسی ذاتِ پاک کو حاصل ہے، جبکہ تمام مخلوقات کی زندگی اسی کے حکم اور عطا سے قائم ہے۔[30] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ-[31]

"اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی ہے کیا یہ ایمان نہیں لاتے؟"

مخلوق کی زندگی اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت سے وابستہ ہے، اور جب یہ تعلق ختم ہو جاتا ہے تو فنا اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے حقیقی اور دائمی زندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کے سوا کسی کو حقیقی حیات حاصل نہیں۔

5-لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ "یعنی" لَا مَحبوب اِلَّا اللہ

مولانا ثناء اللہ امر تسری نے کلمۂ طیبہ کی تفسیر کا پانچواں عنوان یہ دیا ہے "لَا مَحبوب اِلَّا اللہ "یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی محبوب نہیں چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ-[32]

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، جبکہ ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے والدین، اولاد اور اہلِ خانہ سے محبت کرتے ہیں، اور انبیاء و رسل علیہم السلام سے محبت تو ایمان کا حصہ ہے، پھر "لَا مَحبوب اِلَّا اللہ" کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق سے ہماری محبت بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم اور رضا کے تابع ہوتی ہے۔ ہم جن سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ-[33]

"(اے نبی ﷺ) فرما دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

لہٰذا والدین، اولاد، بیوی بچوں یا انبیائے کرام علیہم السلام سے محبت بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت اور اس کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز سے منع فرما دیتا تو ہم اس سے بھی اجتناب کرتے۔ اسی لیے اللہ کی اطاعت کے دائرے میں رہ کر کی جانے والی ہر محبت دراصل اللہ ہی کی محبت ہے۔ پس "لَامحبوب الاّاللہ" بالکل درست اور برحق ہے۔[34]

5-لَاالٰہَ الاّاللہ "یعنی "لَاموصوفَ الاّاللہ

کلمۂ توحید کی تفسیر کا چھٹا عنوان یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بیان کردہ تمام کامل اور اعلیٰ صفات حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ دنیا میں جتنی صفاتِ کمال پائی جاتی ہیں، جیسے خالق، مالک، مختار، حی، قیوم، قدیم، ازلی اور ابدی ان سب کا حقیقی مصداق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی مفہوم کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے: "لَاموصوفَ الاّاللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو کامل صفات کا حقیقی حامل ہو۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ-[35]

"اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور تمام بہترین نام اسی کے لیے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت "قدیم" بھی ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں۔ یہ صفت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز، مثلاً روح، مادہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قدیم مانتے ہیں، وہ قرآن کے بیان کردہ خالص عقیدۂ توحید کے مطابق نہیں رہتے۔ اسی سلسلے میں مولانا مولانا ثناء اللہ امر تسری فرماتے ہیں:

> "آریوں سے جب اس مسئلہ توحید پر گفتگو ہوتی ہے تو جھٹ کہہ دیا کرتے ہیں۔ خدا بھی موجود ہے ہم بھی موجود ہیں کیا یہ شرک نہیں؟ حالانکہ خدا جن معنوں میں موجود ہے ان معنوں میں کوئی چیز موجود نہیں۔ اگر کوئی مسلمان ان معنوں میں کسی نبی یا رسول کو بھی موجود مانے گا تو شرک کا مرتکب ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اصلی وجود سے موجود ہے جبکہ ہم اور دوسری چیزیں اس کی ایجاد سے موجود ہیں۔"[36]

توحید باری تعالیٰ کے عقیدہ پر مولانا ثناء اللہ امر تسری کے عقلی دلائل

توحید باری تعالیٰ کے عقیدہ پر مولانا ثناء اللہ امر تسری کے عقلی دلائل بیان کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امر تسری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں یکتا و بے شریک ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جس میں ازلیت پائی جائے۔ حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی قدیم اور ازلی ہے، اور یہی اس کی وحدانیت کا بنیادی تقاضا ہے۔ قرآنِ مجید نے بھی اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ازلی اور ابدی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، جبکہ باقی تمام مخلوقات حادث اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ-[37]

"وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

"وہی اول ہے" یعنی ہمیشہ سے موجود ہے، اور "وہی آخر ہے" یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ علمِ کلام میں یہ مسئلہ ہمیشہ اہم بحث رہا ہے کہ وہ مادہ جس سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا، آیا وہ خود بھی ازلی ہے یا بعد میں پیدا کیا گیا؟ اسی طرح یہ سوال بھی زیرِ بحث رہا کہ روح قدیم ہے یا حادث، اور پوری کائنات ہمیشہ سے موجود ہے یا اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ علمائے کلام کے نزدیک یہ نہایت نازک مسئلہ تھا، کیونکہ اگر مادہ، روح یا کائنات کو بھی قدیم مان لیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی بعض مخصوص صفات میں شرکت لازم آتی ہے، حالانکہ ازلیت اور قدم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری نے اس علمی اور کلامی بحث کو نہایت عمدہ اور مدلل انداز میں واضح کیا۔ اسی سلسلے میں آریہ مذہب کے عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

آریہ کا عقیدہ ہے کہ

"دنیا میں تین چیزیں قدیم ہیں۔

1۔ خدا　　2۔ مادہ　　3۔ روح

چنانچہ آریوں کے گرو سوامی دیانند لکھتے ہیں۔ انادی پرارتھ (قدیم اشیاء) تین ہیں ایک ایشور (خدا) دوسرا جیو (روح) اور تیسرا پرکرتی یعنی (جہان کی علت) انہی کو نہہ (ابدی) بھی کہتے ہیں جو پرارتھ (چیزیں) نہیہ (قدیم) ہیں ان کی صفات حرکات اور حواس بھی نہیں ہوتے ہیں۔"[38]

ان تین قدیم مانی جانے والی اشیاء میں سے ایک حقیقی اور ازلی ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود تو دونوں فریقوں کے نزدیک مسلم ہے، بلکہ پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے۔ البتہ باقی دو چیزوں، یعنی روح اور مادہ کی قدامت کے بارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عقلی دلائل کے ساتھ نہایت گہری اور مدلل گفتگو کی ہے۔

اس سلسلے میں ان کا مناظرانہ انداز یہ تھا کہ پہلے مخالف فریق کے عقائد کو انہی کی کتابوں کے حوالوں سے پیش کرتے، پھر علمی اور عقلی اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لے کر باطل نظریات کا رد فرماتے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ بیان کرتے ہیں کہ فلاسفہ کے نزدیک ہر مرکب یا بنائی جانے والی چیز کے لیے چار علتیں ضروری سمجھی جاتی ہیں۔

1۔ علتِ مادی

2۔ علتِ صوری

3۔ علتِ فاعلی

4۔ علتِ غائی

مثال کے طور پر مٹی کا برتن لیا جائے تو اس میں مٹی علتِ مادی ہے، کیونکہ برتن اسی سے بنتا ہے۔ برتن کی شکل و صورت علتِ صوری کہلاتی ہے۔ اسے بنانے والا شخص علتِ فاعلی ہے، جبکہ اس کے بنانے کا مقصد علتِ غائی کہلاتا ہے، جیسے گلاس پانی پینے کے لیے یا لوٹا وضو کے لیے بنایا جاتا ہے۔ انسانی صنعتوں اور تخلیقات میں ان چاروں علتوں کا پایا جانا تسلیم شدہ بات ہے۔ آریہ سماج نے انہی انسانی اصولوں کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر قیاس کرتے ہوئے یہ نظریہ اختیار کیا کہ کائنات کی تخلیق میں بھی ان تمام علتوں کا ہونا ضروری ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے عقیدۂ توحید کی وضاحت کے لیے "لَاالٰہَ الّااللہ" کو بنیادی عنوان بنایا۔ اسی تناظر میں انہوں نے عیسائی اور آریائی تصوراتِ توحید کا اسلامی عقیدۂ توحید سے تقابل کیا اور یہ واضح کیا کہ اسلامی توحید اپنی پاکیزگی، جامعیت اور عقلی مضبوطی کے اعتبار سے باعثِ فخر ہے۔[39]

خلاصہ بحث

اسلامی عقائد میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ عقیدۂ توحید کی صحیح تفہیم کا انحصار ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفاتِ کمال اور اس کے افعال کے درست فہم پر ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، قدرت، علم، ارادہ، حکمت، رحمت اور دیگر صفاتِ کمال کو واضح کیا ہے۔ زیرِ نظر تحقیق میں تفسیر ثنائی کی روشنی میں تصورِ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق کیا موقف اختیار کیا ہے اور ان کا منہج تفسیر اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں سے کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اس ضمن میں صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ ثبوتیہ، صفاتِ سلبیہ اور صفاتِ فعلیہ کے مفاہیم کا جائزہ لیتے ہوئے یہ تحقیق بھی کی جائے گی کہ تفسیر ثنائی میں صفاتِ الٰہیہ کی تشریح کے لیے قرآنی نصوص، احادیثِ نبویہ اور عقلی دلائل سے کس نوعیت کا استدلال کیا گیا ہے۔ مزید برآں، ذات و صفاتِ الٰہیہ کے سلسلے میں تشبیہ، تجسیم، تعطیل اور تاویل جیسے اہم علمی مباحث کے حوالے سے مفسر کے نقطۂ نظر کو بھی واضح کیا جائے گا۔ تحقیق میں کلاسیکی علمِ کلام کے تناظر میں تفسیر ثنائی کے امتیازی پہلوؤں اور دیگر مکاتبِ فکر کے ساتھ اس کے فکری اشتراک و اختلاف کا تجزیاتی مطالعہ بھی شامل ہوگا۔ اس مطالعے سے نہ صرف مولانا ثناء اللہ امرتسری کے تصورِ توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ کے منہج کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ عصرِ حاضر میں عقیدۂ توحید کی علمی تفہیم اور درست تعبیر کے لیے بھی اہم رہنمائی حاصل ہوگی۔

نتائج بحث

۱۔ تحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تفسیر ثنائی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان عقیدۂ توحید کی بنیادی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قرآنی آیات کی تشریح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفاتِ کمال کو نمایاں کیا ہے۔

۲۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں قرآن مجید کو بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔ انہوں نے آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، ارادہ، حکمت اور رحمت جیسے اوصاف کی وضاحت کی ہے۔

۳۔ تفسیر ثنائی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امر تسری نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں نصوصِ شرعیہ کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ ان کا تفسیری منہج قرآنی دلائل، احادیثِ نبویہ اور عقلی استدلال کے امتزاج پر مشتمل ہے۔

۴۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری نے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں تشبیہ اور تجسیم کے تصورات سے اجتناب کی اہمیت واضح کی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوقات کی مشابہت سے منزہ قرار دینے پر زور دیا ہے۔

۵۔ تفسیر ثنائی کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امر تسری نے صفاتِ الٰہیہ کی تشریح میں عقلی اور نقلی دلائل سے استفادہ کیا ہے۔ اس طرزِ استدلال سے قاری کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق درست عقیدے کی تفہیم حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ اس تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیر ثنائی میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا موضوع محض نظریاتی بحث نہیں بلکہ عقیدۂ توحید کی عملی تفہیم کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کا مطالعہ عصرِ حاضر میں اسلامی عقائد کی درست تعبیر اور فکری رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

---

[1] ۔ تمیمی، محمد بن خلیفہ، **مواقف الطوائف من توحید الاسماء والصفات**، مکتبہ اضواء السلف، ریاض، طبعۃ الاولیٰ، 1422ھ، ص:75

2۔ قرامطی (مذہباً اسماعیلی شیعہ) کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے جانا جاتا تھا۔ حلب و مصر میں انہیں اسماعیلی کہتے تھے۔

[3] ۔ **الملل اوالنحل**، ص:75

[4] ۔ تمیمی، محمد بن خلیفہ، **مواقف الطوائف من توحید الاسماء والصفات**، مکتبہ اضواء السلف، بیروت لبنان، ص:77

[5] ۔ ابن عربی، محی الدین، **فصوص الحکم**، دار الکتب العربی، بیروت، ص:210-211

[6] ۔ النساء:4/164

[7] ۔ تمیمی، محمد بن خلیفہ، **مواقف الطوائف من توحید الاسماء والصفات**، مکتبہ اضواء السلف، ص:108

[8] ۔ دیانند سرسوتی، **ستیارتھ پرکاش**، باب-16، فقرہ-53، مہاشہ کرشن منتری، آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب گورودت بھون، لاہور

[9] ۔ یوسف:12/106

[10] ۔ المائدۃ:5/72

[11] ۔ امر تسری، مولانا ثناء اللہ، **شمع توحید**، مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ، اہلحدیث چوک، کورٹ روڈ، کراچی، ص:4

[12] ۔ الملک:67/1

[13] ۔ **المؤمنون:۲۳/۸۸**

[14] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص7

[15] ۔ **الفاطر**:35/3

[16] ۔ **الرعد**:16/13

[17] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص:7-8

[18] ۔ **الفرقان**:25/3

[19] ۔ **انجیل متی**:باب-1، فقرہ:18

[20] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص:8

[21] ۔ الفاطر:35/13

[22] ۔ الملک:67/1

[23] ۔ البقرۃ:2/255

[24] ۔ طٰہٰ:20/6

[25] ۔ النمل:27/62

[26] ۔ الفاطر:35/13-17

[27] ۔ الفاطر:35/15

[28] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص:12

[29] ۔ المؤمن:40/65

[30] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص:14

[31] ۔ الانبیاء:21/30

[32] ۔ البقرۃ:2/165

[33] ۔ اٰلِ عمران:3/31

[34] ۔ **افادات ثنائیہ**، ص:17-18

[35] ۔ طٰہٰ:20/8

[36] ۔ امر تسری، مولانا ثناء اللہ، **اصول آریہ**:2، فضل حق اینڈ سنز، پرنٹرز اینڈ پبلشرز، پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور

[37] ۔ الحدید:57/3

[38] ۔ سوامی، دیانند، **ستیارتھ پرکاش**: سیوک سٹیم پریس لاہور، ص6

[39] ۔ **اصول آریہ**، ص:3